

## مقالات

## قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں

(سلسلہ اشاعت ربیع الاول ۱۳۷۷ھ)

## ر ب

لغوی تحقیق | اس لفظ کا مادہ م ر ب ب ہے جس کا ابتدائی و اساسی مفہوم پرورش ہے۔ پھر اسی سے تعرف، خبرگیری، اصلاح حال اور تمام تکمیل کا مفہوم پیدا ہوا۔ پھر اسی بنیاد پر فوقیت، سیادت، مالکیت اور آقائی کے مفہومات اس میں پیدا ہو گئے۔ لغت میں اس کے استعمالات کی چند مثالیں یہ ہیں:

(۱) پرورش کرنا، نشوونما دینا، بڑھانا۔ مثلاً مریب اور مریبہ پروردہ لڑکے اور لڑکی کو کہتے ہیں، نیز اس بچے کو جو سوتیلے باپ کے گھر پرورش پائے۔ پالنے والی دانی کو بھی مریبہ کہتے ہیں۔ مرابہ سوتیلی ماں کو کہتے ہیں کیونکہ وہ ماں تو نہیں ہوتی مگر بچے کو پرورش کرتی ہے۔ اسی مناسبت سے مراب سوتیلے باپ کو کہتے ہیں۔ مَرَبٌّ یا مَرَبٌّ اس دو کو کہتے ہیں جو محفوظ کر رکھی جائے۔ مَرَبٌّ یَرَبُّ مَرَبًّا کے معنی اضافہ کرنے، بڑھانے اور تکمیل کو پہنچانے کے ہیں، جیسے مَرَبُّ النعمۃ، یعنی احسان میں اضافہ کیا یا احسان کی حد کر دی۔

(۲) سمیٹنا، جمع کرنا، فراہم کرنا۔ مثلاً کہیں گے فلان یربُّ الناس، یعنی فلاں شخص لوگوں کو جمع کرتا ہے، یا سب لوگ اس شخص پر مجتمع ہوتے ہیں جمع ہونے کی جگہ کو مَرَبٌّ کہیں گے۔ سمیٹنے اور فراہم ہو جانے کو تَرَبُّبٌ کہیں گے۔

(۳) خبرگیری کرنا، اصلاح حال کرنا، دیکھ بھال اور کفالت کرنا۔ مثلاً مَرَبُّ ضیعتہ کے

معنی ہوں گے فلاں شخص نے اپنی جائداد کی دیکھ بھال اور نگرانی کی۔ اوسیفیان نے صفوان سے کہا تھا لان یوبنی رجل من قریش احب الی من ان یربنی رجل من ہوا من ن ، یعنی قریش میں سے کوئی شخص مجھے اپنی ربوبیت میں لے لے یہ مجھے زیادہ پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ ہوازن کا کوئی آدمی ایسا کرے۔  
علقمہ بن عبیدہ کا شعر ہے :

فلنت امرأ افضت الیک ربابتی و قبلک رببتی فضعت ربوبی

یعنی تجھ سے پہلے جو تیرے میرے ربی تھے انہوں نے میری خبر گیری و اصلاح نہ کی، آخر کار اب میری کفالت و ربابت تیرے ہاتھ آئی ہے۔ فرزدق کہتا ہے :

کانوا کسائلۃ حمقاء اذ حقنت سلاء ہافی اذ یر غیر مر بوب

اس شعر میں اذ یر غیر مر بوب سے مراد وہ چڑا ہے جو کمایا نہ گیا ہو، جسے دباغت دے کر درست نہ کیا گیا ہو۔ فلاں یرب صنعتہ عند فلاں کے معنی ہوں گے فلاں شخص فلاں کے پاس اپنے پیشہ کا کام کرتا ہے یا اس سے کاریگری کی تربیت حاصل کرتا ہے۔

(۴) فقیہ، بالادتی، سرداری، حکم چلانا، تصرف کرنا۔ مثلاً قد رب فلاں قومہ، یعنی فلاں شخص نے اپنی قوم کو اپنا تابع کر لیا۔ ربیت القوم، یعنی میں نے قوم پر حکم چلایا اور بالادست ہو گیا۔  
لبید بن ربیعہ کہتا ہے :

واہلکن یوقا رب کندۃ و ابنہ و مر ب معدین خبت و عمر عر

یہاں رب کندۃ سے مراد کندہ کا سردار ہے جس کا حکم اس قبیلہ میں چلتا تھا۔ اسی معنی میں نابغہ ذبیانی کا شعر ہے :

تخت الی النعمان حتی تنالہ فدی لہ من رب تلید حتی طارفی

(۵) مالک ہونا۔ مثلاً حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ارب غنطام

سراب ابل؛ توکبریوں کا مالک ہے یا اونٹوں کا؛ اسی معنی میں گھر کے مالک کو سراب الدار، اونٹنی کے مالک کو سراب الناقہ، جائداد کے مالک کو سراب الضبیعہ کہتے ہیں۔ آقا کے معنی میں بھی رب کا لفظ آتا ہے اور عبد یعنی غلام کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے۔

غلطی سے رب کے لفظ کو محض پروردگار کے مفہوم تک محدود کر کے رکھ دیا گیا ہے اور ربوبیت کی تشریح میں یہ فقرہ چل پڑا ہے کہ ہوا انشاء الشئ حالاً فلا انی حد التماہ (یعنی ایک چیز کو درجہ بدرجہ ترقی دے کر پایہ کمال کو پہنچانا)، حالانکہ یہ اس لفظ کے وسیع معانی میں سے صرف ایک معنی ہے۔ اس کی پوری دقتوں کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ حسب فیل معنومات پر حاوی ہے؛

۱۔ پرورش کرنے والا، ضروریات بہم پہنچانے والا، تربیت اور شوونما دینے والا۔

۲۔ کفیل، خبر گیراں، دیکھ بھال اور اصلاح حال کا ذمہ دار۔

۳۔ وہ جو مرکزی حیثیت رکھتا ہو، جس پر متفرق اشخاص مجتمع ہوتے ہوں۔

۴۔ سید مطاع، سردار ذی اقتدار، جس کا حکم چلے جس کی فوقیت و بالادستی تسلیم کی جائے جس کو

تصرف کے اختیارات ہوں۔

۵۔ مالک، آقا۔

قرآن میں لفظ رب کے استعمالات | قرآن مجید میں یہ لفظ ان سب معانی میں آیا ہے۔ کہیں ان میں سے کوئی ایک یا دو معنی مراد ہیں، کہیں اس سے زائد، او کہیں پانچوں معنی اس کے اندر جمع ہو گئے ہیں۔ اس بات کو ہم آیات قرآنی سے مختلف مثالیں دے کر واضح کریں گے۔

پہلے معنی میں:

قَالَ مَعَادُ اللَّهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنُ مَنَئِمًا | اس نے کہا کہ پناہ بخدا! وہ تو میرا رب ہے جس نے مجھے اچھی طرح رکھا

(دوسری سی)

لے کسی کو یہ خیال نہ ہو کہ حضرت بوسلف بن مہر کو اپنا رب فرما رہے ہیں، جیسا کہ بعض مفسرین کو شبہ ہوا ہے۔ بلکہ دراصل ”وہ“ کا اشارہ خدا کی طرف ہر جس کی پناہ انھوں نے مانگی ہے مَعَادُ اللَّهِ اِنَّهُ رَبِّي۔ جب مشا را لہ تیر ہی میں مذکور ہو تو کوئی نیز مذکور شارانہ لاش کر کے کیا فروتا۔

دوسرے معنی میں جس کے ساتھ پہلے معنی کا تصور بھی کم و بیش شامل ہے:

تھارے یہ موجود تو میرے دشمن ہیں، بجز رب کائنات کے جس نے مجھے پیدا کیا ہی، جو میری رہنمائی کرتا ہی، جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب میرا بیمار ہوتا ہوں تو مجھے شفا دیتا ہے۔

تھیں نعمت بھی حاصل ہو انہی ہی کو حاصل ہوتی ہے، پھر جب تم پر کوئی مصیبت آتی ہے تو اسی کی طرف تم گھبرا کر جوئے کتے ہو، مگر جب تم پر سے مصیبت مٹائی جائے تو کچھ لوگ تم میں سے ہیں جو اپنے رب کے ساتھ رہیں

فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّكَ وَاللّٰهُ يَكْفِي  
حَلَقْنِيْ هُوَ يُهَيِّدُنِيْ وَاللّٰهُ هُوَ يُجْمَعُ  
يَسْقِيْنِ وَاِذَا مَرَضْتُ هُوَ يُبْرِئُنِيْ (اشعور-۵)  
وَمَا لَكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ تَعْرَآذًا مَّا تَكْفُرُوْنَ  
الصّٰرِفٰلِيْهِ تَجْعَلُوْنَ تَعْرٰذَا كَشَفَ الصّٰرِفِ عَنكُمْ  
اِذَا مَرِئْتُمْ مِّنْكُمْ بَرِّئْتُمْ لِيُبْرِّئَكُمْ لَوْ كُنْ (انحل-۷)

نعمت کی بخشش اور اس شکل کثافتی میں، دوسروں کو شریک ٹھہرانے لگتے ہیں

کہو، کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور رب تلاش کروں حالانکہ ہر چیز کا رب وہی ہے؟

وہ مزید شریک رب جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، لہذا تو اسکی اپنا کوئل (اپنے سارے معاملات کا کفیل ذمہ دار) بنا لے۔

قُلْ اَعِدَّ لِلّٰهِ اُنۡبِيَٓا سَابۡغًا وَهُوَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ  
شَبۡحِۃٌ ۶ (انعام-۲۰)

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ  
فَاَتَّخِذَنَّ كُوفۡلًا (الزلزل-۱)

تیسرے معنی میں:

وہ تمھارا رب، اور اسی کی طرف تم پناہ کرنے چلے جاؤ گے۔ پھر تمھارے رب کی طرف تمھاری واپسی ہے۔ کہو کہ ہم دونوں فریقوں کو ہمارا رب جمع کرے گا۔

هُوَ رَبُّكُمْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (ہود-۳)  
تَعْرٰلِيْ رَبُّكُمْ مَرۡجِعُكُمْ (الزمر-۱)  
قُلْ يٰۤاَيُّهَا سَرۡبُنَا (سبا-۳)

زمین میں چلنے والا کوئی جاندار اور پولس اٹنے والا کوئی پرندہ ایسا نہیں ہے جو تمھاری ہی طرح کی ایک مشابہت ہو اور تم اپنے دفتر میں کسی ایجنٹ سے کوئی بات نہیں کی ہو پھر وہ اپنے رب کی طرف سیٹھ جائیں گے۔

وَمٰمِنٌ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ وَلَا ظٰلِمٍ  
يُّطِيۡرُ بِجَنَاحِيْهِ اِلَّا اَنۡهَمُ اَمۡثَالُكُمْ مَا تَرۡطَفٰنِ  
الِكِتٰبِ مِّنۡ شَيْۡءٍ تَعْرٰلِيْ رَبِّهِمْ يُجۡشِرُوْنَ (انعام-۱۱)

وَلَقَدْ فِي الصُّورِ قَادًا هُمْ مِنْ الْأَجْدَاثِ  
إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنْسِلُونَ (یس - ۴)

اور جو نہی کہ سورہ یونس کا گناہ وہ سب نے ٹھکانوں سے  
اپنے رب کی طرف نکل پڑیں گے۔

چوتھے معنی میں جس کے ساتھ کم و بیش تیسرے معنی کا تصور بھی موجود ہے:

لَا تَخْذُوا عِبَادًا سَرَاهُمْ وَسِرَّهَا لَهُمْ  
أَسْرًا بَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ (التوبہ - ۵)

انھوں نے اللہ کے سچا اپنے علماء اور درویشوں کو اپنا رب  
بنایا۔

وَلَا يَخْتَصِمُونَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَسْرًا بَابًا مِنْ دُونِ  
اللَّهِ (آل عمران - ۷)

اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب  
نہ بنائے

دونوں آیتوں میں ارباب سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو قوموں اور گروہوں نے مطلقاً اپنا رہنما و پیشوا مان لیا  
ہو، جن کے امر و نہی، فہم و قانون، اور تحلیل و تحریم کو بلا کسی بالاتر سند کے تسلیم کیا جاتا ہو، جنہیں بجائے خود  
حکم دینے اور منع کرنے کا حق دار سمجھا جاتا ہو۔

أَمْ أَحَدُكُمْ مَا يَفْسِقُ رَبَّهُ حَمَلًا.....  
وَقَالَ لِلَّذِي ظَنَّ أَنَّهُ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِي  
عِنْدَ رَبِّكَ فَأَنسَهُ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهِ  
(یوسف - ۵)

یوسف نے کہا کہ تم میں سے ایک تو اپنے رب کو شراب پلانے  
..... اول دن دونوں میں جس کے متعلق یوسف کا خیال تھا  
کہ وہ نجات پانے گا اس سے یوسف نے کہا کہ اپنے رب سے میرا ذکر کرنا،  
مگر شیطان اسے بھلائے بیٹوں دیا اور اس نے اپنے رب سے یوسف کا  
ذکر کرنے کا خیال نہ رہا۔

فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ إِلَىٰ  
رَبِّكَ فَاَسْأَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الَّتِي كَفَعْنَ  
أَيْدِيَهُنَّ إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ  
(یوسف - ۷)

جب پیغام لانے والا یوسف کے پاس آیا تو یوسف نے اس سے  
کہا کہ اپنے رب کے پاس پس جاؤ اور اس سے پوچھو کہ ان عورتوں  
کا کیا معاملہ ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے،  
میرا رب تو ان کی چال سے باخبر ہے ہی۔

ان آیات میں حضرت یوسفؑ نے مصریوں سے خطا کبے تے ہوئے بار بار فرعونؑ کو ان کا رتبہ قرار دیا ہے، اس لیے کہ جب وہ اس کی مرکزیت اور اس کا اقتدار اعلیٰ اور اس کو امر و نہی کا مالک تسلیم کرتے تھے تو وہی ان کا رتبہ تھا۔ برعکس اس کے خود حضرت یوسفؑ اپنا رتبہ اللہ کو قرار دیتے ہیں کیونکہ وہ فرعون کو نہیں، صرف اللہ کو مقتدر اعلیٰ اور صاحب امر و نہی مانتے تھے۔

پانچویں معنی میں:

لہذا انہیں اس گھر کے مالک کی عبادت کرنی چاہیے جس نے ان کی رزق رسانی کا انتظام کیا اور انہیں علم یعنی محفوظ رکھا اور تیرا رب جو عزت و اقتدار کا مالک ہے ان تمام صفات عیب سے پاک ہے جو یہ لوگ اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

اللہ جو عرش کا مالک ہے ان تمام صفات عیب سے پاک ہے جو یہ لوگ اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

پوچھو کہ ساتوں آسمانوں کا اور عرش بزرگ کا مالک کون ہے؟

وہ جو مالک ہے آسمانوں اور زمین کا اور ان سب چیزوں کا جو آسمان و زمین کے درمیان ہیں اور ان سب چیزوں کا جن پر سورج طلوع ہوتا ہے۔

اور یہ کہ شعریٰ کا مالک بھی وہی ہے۔

ذَلِيْعَبْدٌ ذَا سَرَبٍ هَذَا الْكَيْبِيْتِ الَّذِي  
اَطْعَمَهُمْ مِنْ جَوْعٍ ذَا مَنْهُمْ مَنْ خَوَّبَ  
سُبْحَانَ سَرَبِكَ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا  
يَصِفُوْنَ (صفت - ۵)

فَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا  
يَصِفُوْنَ (انبیاء - ۲)

قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَ  
رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ (المونون - ۵)

رَبُّ السَّمٰوٰتِ ذَا الْاَرْجِ وَ  
مَا بَيْنَهُمَا وَ رَبُّ الْمَشْرِقِ

(الصفحت - ۱)

ذَا بَيْتُهُ هُوَ رَبُّ الشَّعْرٰى (انجم - ۳)

ربوبیت کے باب میں گمراہ قوموں کے تخیلات | ان شواہد سے لفظ رب کے معانی بالکل غیر مشتبہ طور پر معین ہو جاتے ہیں۔ اب ہمیں دیکھنا چاہیے کہ ربوبیت کے متعلق گمراہ قوموں کے وہ کیا تخیلات تھے جن کی تردید کرنے کے لیے قرآن

آیا، اور وہ کیا چیز ہے جس کی طرف قرآن بلاتا ہے۔ اس سلسلے میں زیادہ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جن گمراہ قوموں کا ذکر قرآن نے کیا ہے ان کو الگ الگ لے کر ان کے خیالات سے بحث کی جائے تاکہ بات بالکل متعہ ہو جائے۔

قوم نوح | سب سے پہلی قوم جس کا ذکر قرآن کرتا ہے حضرت نوح کی قوم ہے۔ قرآن کے بیان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ اللہ کی ہستی کے منکر نہ تھے حضرت نوح کی دعوت کے جواب میں ان کا یہ قول خود قرآن نے نقل کیا ہے :-

یہ شخص کچھ نہیں ہے مگر تم جیسا ایک انسان۔ یہ اصل تم پر اپنی  
فضیلت جمانا چاہتا تھا، ورنہ اگر اللہ کوئی رسول بھیجتا چاہتا تو  
فرشتوں کو بھیجتا۔

هٰذَا اَكْبَشَرًا مِّثْلَكُمْ يْرِيدُ اَنْ  
يَتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَآنزَلَ  
مَلَائِكَةً (المونون - ۲)

انھیں اللہ کے خالق ہونے اور پہلے اور دوسرے معنی میں اس کے رب ہونے سے بھی انکار نہ تھا چنانچہ  
حضرت نوح جب ان سے کہتے ہیں کہ ہوسر بکم واکبہ تر جعون (ہرد - ۳) اسْتَعْفِرُوا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ  
كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا (نوح - ۱۰) اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طَبَاقًا وَّجَعَلَ الْقَمَرَ  
فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسُ سِرَاجًا وَّاللّٰهُ اُنْبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ بِنٰتًا اَلَمْ تَرَ (نوح - ۱۰) تو ان میں  
سے کوئی شخص یہ نہیں کہتا کہ اللہ ہمارا رب نہیں ہے، یا زمین و آسمان کو اور ہم کو اس نے پیدا نہیں کیا ہے، یا زمین و  
آسمان کا یہ سارا انتظام وہ نہیں کر رہا ہے۔

پھر ان کو اس بات سے بھی انکار نہ تھا کہ اللہ ان کا الہ ہے، اسی لیے تو حضرت نوح نے ان کے سامنے اپنی

۱۔ وہ تھا زار ہے اور اسی کی طرف تمہیں پلٹ کر جانا ہے۔

۲۔ اپنے رب سے معافی چاہو کہ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔

۳۔ دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ نے کیسے ہفت آسمان تہہ تہہ بنائے اور چاند کو ان کے درمیان نور اور سورج کو چرخ بنایا

اور تم کو زمین سے پیدا کیا۔

دعوت ان الفاظ پر پیش کی کہ مَا لَكُمْ مِنْ آلِهَ غَيْرُوا (اس کے سوا تمہارا کوئی الہ نہیں ہے) ، ورنہ اگر وہ اللہ کے الہ ہونے سے منکر ہوتے تو دعوت کے الفاظ یہ ہوتے کہ لَاتُخَنُّنُوا وَاللَّهُ إِلَهُكُمْ (اللہ کو اپنا الہ بنا لو) اب سول یہ ہے کہ ان کے اور حضرت نوح کے درمیان نزاع کس بات پر تھی؟ آیات قرآنی کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ بنائے نزاع دو باتیں تھیں :-

ایک یہ کہ حضرت نوح کی تعلیم یہ تھی کہ جو رب العالمین ہے، جسے تم بھی مانتے ہو کہ تمہیں اور تمام کائنات کو اسی نے وجود بخشا ہے اور وہی تمہاری ضروریات کا کفیل ہے، واصل وہی اکیلا تمہارا الہ ہے، اس کے سوا کوئی دوسرا الہ نہیں ہے، کوئی اور ایسی ہستی نہیں ہے جو تمہاری حاجتیں پوری کرنے والی، مشکلیں آسان کرنے والی، دعائیں سننے اور مدد کو پہنچنے والی ہو، لہذا تم اسی کے آگے سر نیا زجھکاؤ؛

يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ آلِهَ غَيْرُوا . . . . . وَلكَيْتُمْ سُرْسُورًا تَهْتَبُونَ الْعُلَمَاءَ لَنْ يَنْفَعَكُمُهَا شَيْءٌ رَجَعَتِ إِلَىٰ (اعوان ۸)

اے برادران قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا کوئی تمہارا الہ نہیں ہے . . . . . مگر میں رب العالمین کی طرف سے پیغام ہوں تمہیں اپنے رب کی پیغمات پہنچاتا ہوں۔

برعکس اس کے وہ لوگ اس بات پر مصر تھے کہ رب العالمین تو اللہ ضرور ہے مگر دوسرے بھی خدائی کے انتظام میں تھوڑا یا بہت دخل رکھتے ہیں، اور ان سے بھی ہماری حاجتیں وابستہ ہیں، لہذا اللہ کے ساتھ ہم دوسروں کو بھی الہ مانیں گے:

وَقَالُوا لَا تَنْدَرُونَ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَنْدَرُونَ وَكُلًّا وَلَا سِوَاكَ لَا يَعْبُودُونَ وَيَعْبُودُونَ (نور ۲۰)

ان کے سرداروں اور پیشواؤں نے کہا کہ لوگو لو پتے الہوں کو نہ چھوڑو، ولا اور سواکے اور یغوث اور یعوق اور نسر کو نہ چھوڑو۔

دوسرے یہ کہ وہ لوگ صرف اس معنی میں اللہ کو رب مانتے تھے کہ وہ ان کا خالق، زمین و آسمان کا مالک، اور کائنات کا مدبر اعلیٰ ہے، لیکن اس بات کے قائل نہ تھے کہ اخلاق، معاشرت، تمدن،



سیاست اور تمام معاملات زندگی میں بھی حاکمیت و اقتدار اعلیٰ اسی کا حق ہے، وہی رہنما، وہی قانون ساز، وہی صاحب امر وہی بھی ہے اور اسی کی طاعت بھی ہونی چاہیے۔ ان سب معاملات میں انھوں نے اپنے سرداروں اور مذہبی پیشواؤں کو رب بنا رکھا تھا۔ برعکس اس کے حضرت نوح کا مطالبہ یہ تھا کہ ربوبیت کے ٹکڑے نہ کرو، تمام مہموں کے اعتبار سے صرف اللہ ہی کو رب تسلیم کرو، اور اس کا ناما مندہ ہونے کی حیثیت سے جو قوانین اور جو احکام میں تمہیں پہنچاتا ہوں ان کی پیروی کرو۔

إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ فَاتَّقُوا اللَّهَ | میں تمہارے لیے خدا کا معتبر رسول ہوں لہذا اللہ سے ڈرو اور  
وَاطِيعُونَ (الشعراء - ۶) میری اطاعت کرو۔

قوم عاد | قوم نوح کے بعد قرآن عاد کا ذکر کرتا ہے۔ یہ قوم بھی اللہ کی ہمتی سے منکر نہ تھی، اس کے الہ ہونے سے بھی ال کو انکار نہ تھا، اور جس معنی میں حضرت نوح کی قوم اللہ کو رب تسلیم کرتی تھی اسی معنی میں وہ بھی اللہ کو رب بنا رہی تھی، البتہ بنائے نزع وہی دو امور تھے جو اوپر قوم نوح کے سلسلے میں بیان ہو چکے ہیں۔ چنانچہ قرآن کی حسب ذیل تصریحات اس پر صاف دلالت کرتی ہیں:

وَالِىٰ عَادِ أَخَاهُمْ هُودًا، قَالَ يَقَوْمِ | عادی طرف ہم نے ان کے بھائی ہود کو بھیجا۔ اس نے کہا اے برادر! اَعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنِّىْ غَيْرُكَ... قَالَ | قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی الہ نہیں۔۔۔۔۔ انھوں نے جواب دیا کیا تو اسے آیا کہ ہم لڑا کیلئے اللہ ہی کی عبادت کیا اور ان جو دود کو چھوڑیں جن کی عبادت باپ دادا کے وقتوں ہوتی رہی انھوں نے کہا اگر ہمارا رب چاہتا تو فرشتے بھیج سکتا تھا۔

قَالُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْمَائِكَةَ (انجہ) | اور یہ ماہی جنھوں نے اپنے رب کے احکام ماننے سے انکار کیا، وَخَصَّوْا مَرْسَلَهُ وَاتَّبَعُوا أَمْرًا كِبْرًا مِّنْ جَبَابِرٍ | اس کے رسولوں کی اطاعت قبول نہ کی، اور ہر جبار دشمن تھی کی عَيْنِيْهَا (ہود - ۵) | پیروی اختیار کر لی۔

نمود | اب نمود کو لہجے جو عباد کے بعد سب بڑی سرکش قوم تھی۔ اھولاً اس کی گمراہی بھی اسی قسم کی تھی جو قوم نوح اور قوم عاد کی بیان ہوئی ہے۔ ان لوگوں کو اللہ کے وجود اور اس کے الہ اور رب ہونے سے انکار نہ تھا، اس کی عبادت بھی انکار نہ تھا، بلکہ انکار بنات سے تھا نہ اللہ ہی اللہ واحد ہے، صرف وہی عبادت کا مستحق ہے اور بوبیت اپنے تمام معانی کے ساتھ اکیلے اللہ ہی کے لیے خاص ہے۔ وہ اللہ کے سوا دوسروں کو بھی فریاد رس، مشکل کشا اور حاجت روا ماننے پر اصرار کرتے تھے، اور اپنی اخلاقی و تمدنی زندگی میں اللہ کے بجائے اپنے سرداروں اور پیشواؤں کی اطاعت کرنے اور ان سے اپنی زندگی کا قانون لینے پر مہم تھے یہی چیز بالآخر ان کے ایک فسادی قوم بن جانے اور مبتلائے عذاب ہونے کی موجب ہوئی۔ اس کی توضیح حسب ذیل آیات ہوتی ہے:

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صَبِيْعَةً  
 قَتْلَ صَبِيْعَةٍ عَادٍ وَّ ثَمُوْدٍ اِذْ جَاءَتْهُمْ  
 الرُّسُلُ مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ  
 اَنْ لَا تَعْبُدُوْا اِلَّا اللّٰهَ قَالُوْا لَوْ شَاءَ رَبُّنَا  
 لَأَنْزَلَ مَلَائِكَةً فَاِنَّا لَمَعَٰرِبٍ  
 كَافِرُوْنَ (سجده - ۲۰)

اے محمد! اگر یہ لوگ تمھاری پیروی منہ مڑتے ہیں تو ان سے کہہ دو کہ  
 عاد اور ثمود کو جو تمھاری قوموں میں سے تھے ان کے سامنے تم کو آگیا  
 ہوں۔ جب ان قوموں کے پاس ان کے پیغمبر آئے اور  
 کہا کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو تو انھوں نے کہا کہ اگر ہمارے  
 چاہتا تو فرشتے بھیجتا، لہذا تم جو کچھ لے کر آئے ہو اسے ہم  
 نہیں مانتے۔

وَالِیْ ثَمُوْدٍ اَخَاهُمْ ضِلْحًا . قَالَ یَقُوْمُ  
 الْعِبَادُ وَاللّٰهُ مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَیْرُہٗ ...  
 قَالُوْا یَا ضِلْحُ فَتَدُکُنْتَ فِیْنَا مُرْجُوًّا  
 قَبْلَ هٰذَا اَتَنْهٰنَا اَنْ نَّعْبُدَ مَا  
 یُعْبَدُ اَبَاؤُنَا (ہود - ۶)

اور ثمود کی طرف ہم نے ان کے بھائی صلح کو بھیجا۔ اس نے کہا  
 ہر آدمی اللہ کی عبادت ہی کرتا ہے اور اللہ کے سوا تمھارا کوئی  
 الہ نہیں ہے۔۔۔۔۔ انھوں نے کہا صلح! اس پہلے تو ہماری  
 بڑی امیر تھے تو اب تم سے روکتے تھیں، کیا تم ہمیں ان کی عبادت سے  
 روکتے ہو جن کی عبادت باپ دادا سے ہوتی چلی آ رہی ہے؟  
 جب ان کے بھائی صلح نے ان سے کہا کیا تمہیں اپنے بچاؤ

کی کوئی فکر نہیں؟ دیکھیں تمہارے لیے اللہ کا مقبر رسول ہوں،  
ہذا اللہ کی ناراضی سبب اور میری اطاعت قبول کرو.....  
اور ان حد سے گزرنے والوں کی اطاعت کرو جو زمین میں فساد  
برپا کرتے ہیں اور صلاح نہیں کرتے۔

إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَ  
أَطِيعُوا ..... وَلَا تَطِيعُوا أَهْلَ  
الْبَيْتِ الَّذِينَ يُفْسِدُونَ فِي  
الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ (الشعراء - ۸)

قوم براہیم اور فرود | اس کے بعد حضرت براہیم کی قوم کا نمبر آتا ہے۔ اس قوم کا معاملہ خاص طور پر اس لیے اہم  
ہے کہ اس کے بادشاہ فرود کے متعلق یہ عام غلط فہمی ہے کہ وہ اللہ کا منکر اور خود خدا ہونے کا مدعی تھا،  
حالانکہ وہ اللہ کی سستی کا قائل تھا، اس کے خالق و مدبر کائنات ہونے کا معتقد تھا، اور صرف تیسرے چوتھے  
اور پانچویں معنی کے اعتبار سے اپنی ربوبیت کا دعویٰ کرتا تھا۔ نیز یہ بھی عام غلط فہمی ہے کہ یہ قوم اللہ سے بالکل  
ناواقف تھی اور اس کے الہ اور رب ہونے کی سرے سے قائل ہی نہ تھی، حالانکہ فی الواقع اس قوم کا معاملہ  
قوم نوح اور عاد اور ثمود سے قطعاً کچھ بھی مختلف نہ تھا۔ وہ اللہ کے وجود کو بھی مانتی تھی، اس کا رب ہونا اور  
خالق ارض و سما اور مدبر کائنات ہونا بھی اسے معلوم تھا، اس کی عبادت سے بھی وہ منکر نہ تھی، البتہ اس کی گمراہی  
یہ تھی کہ وہ ربوبیت بمعنی اول و دوم میں اجرام فلکی کو حصہ دار سمجھتی تھی اور اس بنا پر اللہ کے ساتھ ان کو بھی ممبر و  
قراردتی تھی، اور ربوبیت بمعنی سوم و چہارم و پنجم کے اعتبار سے اس نے اپنے بادشاہوں کو رب بنا رکھا تھا۔  
قرآن کی تصریح اس بارے میں اتنی واضح ہے کہ تعجب ہوتا ہے کس طرح لوگ اصل معاملہ کو سمجھنے سے قاصر رہ گئے۔  
سب سے پہلے حضرت براہیم کے اعزاز ہوش کا وہ واقعہ لیجئے جس میں ان کی تلاش حق کا نقشہ کھینچا گیا ہے:-

جب اس پر رت طاری ہوئی تو اس نے ایک تار دکھا، کہنے لگا یہ  
میرا رب، مگر جب تار اڑ رہا تو اس نے کہا ڈوبنے والوں کو تو میں  
پنہ نہیں کرتا۔ پھر جب چاند چمکتا ہوا دکھا تو کہا میرا رب، مگر  
جب بھی غروب ہوا تو کہا اگر میرے رب نے میری رہائی دے دینی

فَلَمَّا سَجَنَ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَىٰ كَوْكَبًا قَالِ  
هَذَا رَبِّي فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ  
فَلَمَّا رَأَىٰ الْقَمَرَ بَارِعًا قَالِ هَذَا رَبِّي فَلَمَّا  
أَفَلَ قَالَ لَئِن لَّمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ

مِنَ الْقَوْمِ الصَّالِحِينَ - فَلَمَّا رَأَى عَلَى الشَّمْسِ  
بَارِزَةً قَالَ هَذَا رَبِّي هَذَا الْكَبِيرُ  
فَلَمَّا أَفَلَتْ قَالَ يَقَوْمِ إِنِّي بَرِحْتُ قَمِيصًا  
نُشِرْتُ كُونَ - إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِينَ فَطَرَ  
السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ  
الْمُشْرِكِينَ (انعام - ۹)

تو خطر ہے کہ کہیں میں بھی ان گمراہ لوگوں میں شامل نہ ہو جاؤں۔  
پھر جس بروج کو روشن دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے، یہ تو سب سے بڑا ہی، مگر  
جب بھی چھپ گیا تو وہ پکارا اٹھا کہ لے لے برادران قوم جو شرک تم  
کرتے ہو اس میری کوئی تعلق نہیں میں نے تو سب سے منہ موڑ کر اپنا رخ  
اس کی طرف پھیر دیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں  
شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

خط کشیدہ فقروں پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس سوسائٹی میں حضرت ابراہیمؑ نے آنکھ کھولی  
تھی اس میں آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے کا تصور اور اس ذات کے رب ہونے کا تصور ان بیابانوں کی ربوبت  
کے تصور سے الگ موجود تھا، اور آخر کیوں نہ موجود ہوتا جبکہ یہ لوگ ان مسلمانوں کی نسل سے تھے جو حضرت نوح  
پر ایمان لائے تھے اور ان کی قریبی رشتہ دار و ہمسایہ اقوام (عاد و ثمود) میں پے در پے انبیاء علیہم السلام کے  
ذریعہ سے دین اسلام کی تجدید بھی ہوتی رہی تھی (جَاءَتْهُمْ الشَّرُوعُ السُّرُّلُ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَ مِنْ  
خَلْفِهِمْ)۔ پس حضرت ابراہیمؑ کو اللہ کے فاطر السموات والارض اور رب ہونے کا تصور تو اپنے ماحول سے بل جکا  
تھا، البتہ جو سوالات ان کے دل میں کھٹکتے تھے وہ یہ تھے کہ نظام ربوبیت میں اللہ کے ساتھ چاند، سورج  
اور سیاروں کے شریک ہونے کا جو تخیل ان کی قوم میں پایا جاتا ہے اور جس کی بنا پر یہ عبادت میں بھی اللہ  
کے ساتھ ان کو شریک ٹھیرا ہے، یہ کہاں تک مبنی بر حقیقت ہے۔ چنانچہ نبوت سے پہلے اسی کی جستجو انھوں نے کی

یہاں اس امر کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ حضرت ابراہیمؑ کے وطن اُر کے متعلق آثار قدیمہ کی کھدائیوں میں جو انکشافات  
ہوئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں چند زمان دیوتا کی پرستش ہوتی تھی جسے ان کی زبان میں "نثار" کہا جاتا تھا۔  
اور اس کے ہمسایہ علاقہ میں جس کا مرکز اُر سہ تھا، سوز دیوتا کی عبادت ہوتی تھی جس کا نام ان کی زبان میں شمش  
تھا۔ اس ملک کے فرماں روا خاندان کا بانی اُر مٹو تھا جو عرب میں جا کر فرود ہو گیا، اور اسی کے نام پر وہاں کے  
فرماں رواؤں کا لقب ہی نمرود قرار پایا جیسے نظام الملک کے جانشین نظام کہلاتے ہیں۔

اور طلوع و غروب کا انتظام ان کے لیے اس امر واقعی تک پہنچنے میں دلیل راہ بن گیا کہ فاطر السموات والارض کے سوا کوئی رب نہیں ہے۔ اسی بنا پر چاند کو غروب ہوتے دیکھ کر وہ فرماتے ہیں کہ ”اگر میرے رب (یعنی اللہ) نے میری بہنائی نہ فرمائی تو خوف ہے کہ کہیں میں بھی حقیقت تک رسائی پانے سے نہ رہ جاؤں اور ان مظاہر سے دھوکا نہ کھا جاؤں جن سے میرے گرد و پیش لاکھوں انسان دھوکا کھا رہے ہیں۔

پھر جب حضرت ابراہیم کو نبوت کا منصب پر سرفراز ہوئے اور انھوں نے دعوتِ نبوی اللہ کا کام شروع کیا تو جن الفاظ میں وہ اپنی دعوت پیش فرماتے تھے ان پر غور کرنے سے وہ بات اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے جو ہم نے اوپر بیان کی ہے۔ فرماتے ہیں:

اور اخیڑیں ان کو کس طرح ڈر سکتا ہوں جنہیں تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو، جبکہ تم اللہ کے ساتھ ان کو شریک بناتے ہوئے نہیں ڈرتے جن کے الہیتِ ربوبیت میں شریک ہونے پر اللہ نے تمھارے پاس کئی سند نہیں بھیجی۔

وَكَيْفَ أَخَاتُ مَا أَشْرَكْتُمْ وَلَا مَخْلُوقُونَ  
أَلَيْسَ لَكُمْ أَشْرَكُكُمْ بِأَللَّهِ مَا لَمْ يُنَزَّلْ  
بِهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا

(انعام-۹)

تم اللہ کے سوا اور جن جن سے وہ عاقلیت مانگتے ہو ان سے میں تم کو کس ہوتا ہوں۔

وَأَعْرَضُوا عَنْكُمْ وَمَاتُوا عَوْنًا مِنْ  
دُونِ اللَّهِ (مریم-۳)

کہا تھا اراقی صرف آسمانوں و زمین کا رب ہی جس نے ان سے سچیز کو پیدا کیا ہے.... کہا پھر کیا تم اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہو جو تمہیں نفع و نقصان پہنچانے کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتے؟ جب ابراہیم نے اپنے باپ و اپنی قوم کے لوگوں کو کہا کہ یہ تم کو بن کی عبادت کر رہے ہو؟ کیا اللہ کے سوا اپنے خود ساختہ الہوں کی بندگی کا ارادہ ہے؟ پھر رب العالمین کے متعلق تمھارا کیا خیال ہے؟

قَالَ بَلْ عَرَّبْنَاكُمْ سَرَبًا مِنَ السَّمَوَاتِ وَ  
الْأَرْضِ مِنَ الَّذِينَ فَطَرْنَاهُمْ... قَالَ أَفَعْبُدُونَ مِنْ  
دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَلَا يَضُرُّكُمْ (انبیاء-۵۰)

إِذْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَقَوْمُهُ مَاذَا نَعْبُدُ  
إِنَّمَا إِلَهُمُ اللَّهُ تَرْتَدُّونَ، مَا ظَنَّمْتُمْ  
بِرَبِّ الْعَالَمِينَ (مفقت-۳)

إِنَّا بَرَاءٌ لِّمَنْ كَفَرَ مِنَّا وَمِمَّا تَعْبُدُونَ  
مِن دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا  
بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ  
أَبَدًا حَتَّىٰ تُوْمِتُوا بِأَلْحَقِ اللَّهِ وَحُدُودِ

(الممتحنہ-۱)

ابراہیم اور اس کے ساتھی مسلمانوں نے اپنی قوم کے لوگوں کو صاف کہا کہ  
ہمارا تم سے اور اللہ کے سوا جن کی تم عبادت کرتے ہو ان سب سے  
کوئی تعلق نہیں، ہم تمہارے طریقے کو ماننے سے انکار کر چکے ہیں اور  
ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے بغض و عدوت کی بنا پڑ گئی  
ہے جب تک تم اکیلے اللہ پر ایمان نہ لاؤ۔

حضرت ابراہیم کے ان تمام ارشادات کو دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مخاطب وہ لوگ نہ تھے  
جو اللہ سے بالکل ناواقف اور اس کے رب العالمین اور معبود ہونے سے منکر یا خالی الذہن ہوتے، بلکہ  
وہ لوگ تھے جو اللہ کے ساتھ ربوبیت (یعنی اول و دوم) اور الہیت میں دوسروں کو شریک قرار دیتے تھے۔  
اسی لیے تمام قرآن میں کسی ایک جگہ بھی حضرت ابراہیم کا کوئی ایسا قول موجود نہیں ہے جس میں انھوں نے اپنی  
قوم کو اللہ کیستی اور اس کے الہ اور رب ہونے کا قائل کرنے کی کوشش کی ہو، بلکہ ہر جگہ وہ دعوت اس چیز کی  
دیتے ہیں کہ اللہ ہی رب اور الہ ہے۔

ابن خرداد بہ کے معاملہ کو لیجیے۔ اس سے حضرت ابراہیم کی جو گفتگو ہوئی اسے قرآن اس طرح نقل کرتا ہے:

الْمَشْرِقِ إِلَى الدِّنِيِّ حَاجِرًا بَرَاهِيمَ  
فِي سَبِيلِهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ  
إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ انِّي يُحْيِي وَ  
يُمِيتُ قَالَ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ قَالَ  
إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالسَّمْسِ مِنَ  
الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ

تم نے اس شخص کو بھی دیکھا جس نے ابراہیم سے اس کے رب کے بارے  
میں بحث کی، اس بنا پر کہ اللہ نے اسے حکومت دے رکھی تھی۔  
جب ابراہیم نے کہا کہ میرا رب وہ ہے جس کے ہاتھ میں زندگی و موت ہے،  
تو اس نے کہا زندگی و موت تو میرے اختیار میں ہے۔ ابراہیم نے  
کہا، اچھا تو حقیقت یہ ہے کہ اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے، اب  
تو ذرا سے مغرب نکال لا۔ پس کر وہ کافر بہت رہ گیا۔

اس گفتگو سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ جھگڑا اللہ کے ہونے یا نہ ہونے پر نہ تھا بلکہ اس

بات پر تھا کہ ابراہیم علیہ السلام رب کسے تسلیم کرتے ہیں۔ فرود اول تو اس قوم سے تعلق رکھتا تھا جو اللہ کی ہستی کو مانتی تھی، دوسرے جب تک کہ وہ بالکل ہی پاگل نہ ہو جاتا وہ ایسی صریح اہمقانہ بات کہی نہ کہہ سکتا تھا کہ زمین و آسمان کا خالق اور سورج اور چاند کو گردش دینے والا وہ خود ہے پس دراصل اس کا دعویٰ یہ نہ تھا کہ میں اللہ ہوں یا میں رب السموات والارض ہوں، بلکہ اس کا دعویٰ صرف یہ تھا کہ میں اس مملکت کا رب ہوں جس کی رعیت کا ایک فرد ابراہیم ہے۔ اور یہ رب ہونے کا دعویٰ بھی اسے ربوبیت کے پہلے اور دوسرے مفہوم کے اعتبار سے نہ تھا، کیونکہ اس اعتبار سے تو وہ خود چاند اور سورج اور سیاروں کی ربوبیت کا قائل تھا، البتہ وہ تیسرے، چوتھے اور پانچویں مفہوم کے اعتبار سے اپنی مملکت کا رب بنتا تھا، یعنی اس کا دعویٰ یہ تھا کہ میں اس ملک کا مالک ہوں، اس کے سارے باشندے میرے بندے ہیں، میرا مرکزی اقتدار ان کے اجتماع کی بنیاد ہے اور میرا فرمان ان کے لیے قانون ہے (اِنَّ اَشْرَکَ الْاِلٰهَ الْمُلْکَ کے لفظ صریحاً اس بات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ اس کے دعوائے ربوبیت کی بنیاد بادشاہی کے زعم پر تھی۔) جب اسے معلوم ہوا کہ اس کی رعیت میں سے ابراہیم نامی ایک شخص اٹھا ہے جو نہ چاند اور سورج اور سیاروں کی فوق الفطری ربوبیت کا قائل ہے اور نہ پادشاہ وقت کی سیاسی و تمدنی ربوبیت تسلیم کرتا ہے تو اس کو تعجب ہوا اور حضرت ابراہیم کو بلا کر اس نے دریافت کیا کہ آخر تم کسے رب مانتے ہو، حضرت ابراہیم نے پہلے فرمایا کہ میرا رب وہ ہے جس کے قبضہ قدرت میں زندگی و موت کے اختیارات ہیں۔ مگر اس جواب سے وہ بات کی تہ کو نہ پہنچ سکا اور یہ کہہ کر اس نے اپنی ربوبیت ثابت کرنی چاہی کہ زندگی اور موت کے اختیارات تو مجھے حاصل ہیں، جسے چاہوں قتل کر دوں اور جس کی چاہوں جان بخشی کر دوں تب حضرت ابراہیم نے اسے بتایا کہ میں صرف اللہ کو رب مانتا ہوں، ربوبیت کے جملہ مفہومات کے اعتبار سے میرے نزدیک تنہا اللہ ہی رب ہے، اس نظام کائنات میں کسی دوسرے کی ربوبیت کے لیے گنجائش ہی کہاں ہو سکتی ہے، جب کہ سورج کے طلوع و غروب پر وہ ذرہ برابر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ فرود آدمی ذمی ہوش تھا، اس دلیل کو اس نے

اس پر حقیقت کھل گئی کہ فی الواقع اللہ کی اس سلطنت میں اس کا دعوائے ربوبیت بجز ایک زعم باطل کے اور کچھ نہیں ہے، اسی لیے وہ دم بخود ہو کر رہ گیا۔ مگر نفس پرستی اور شخصی و خاندانی اغراض کی بندگی ایسی آگے ہوئی کہ ظہور حق کے باوجود وہ خود مختارانہ حکمرانی کے منصب سے اتر کر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت پر آمادہ نہ ہوا یہی وجہ ہے کہ اس گفتگو کو نقل کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **وَاللّٰهُ لَا يَخْصِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ** (مگر اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا) یعنی اس ظہور حق کے بعد جو رویہ اسے اختیار کرنا چاہیے تھا اسے اختیار کرنے کے لیے جب وہ تیار نہ ہوا اور اس نے خاص بانہ فرمائروائی کر کے دنیا پر اور خود اپنے نفس پر ظلم کرنا ہی پسند کیا تو اللہ نے بھی اسے ہدایت کی روشنی عطا نہ کی، کیونکہ اللہ کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ جو خود ہدایت کا طالب نہ ہو اس پر زبردستی اپنی ہدایت مسلط کر دے۔ (باقی)

## چند نایاب اسلامی کتب اور انکی قیمتوں میں حیرت انگیز رعایت

**تفسیر القرآن**۔ مکمل آٹھ جلدوں میں (اردو) قرآن پاک کی بہترین تفسیر، صلی قیمت مکمل سٹ ۲۱ روپیہ آٹھ آنہ۔ غیر مجلد۔ رعایتی قیمت جلد ۱۲ روپیہ۔ غیر مجلد بائزہ روپیہ۔ جوہر قرآنی۔ علامہ طنطاوی جوہری مہری کی مشہور تصنیف کا اردو ترجمہ۔ صلی قیمت ایک روپیہ۔ رعایتی قیمت دس آنہ۔ انجیل برنباں۔ اُس مقدس دراصلی انجیل کا اردو ترجمہ جو کاہلان دین عیسوی نے ہمدتاریک نیست دنا بود کرنے کی انتہائی کوشش کی تھی کیونکہ اس میں حضرت سول خدا کے ظہور کی تصریح موجود ہے قیمت ڈھائی روپیہ۔ فاتحہ العلوم۔ تفسیر کبیرہ منصفہ امام فخر الدین رازی کی جلد اول کا ترجمہ۔ سورہ الحمد کی مکمل تفسیر کا اردو ترجمہ۔ کاغذ قدس کے بورڈ۔ صلی قیمت تین روپے۔ رعایتی قیمت دو روپے۔ سیرت الرسول۔ سیرت النبی معروف سیرت ابن ہشام کا اردو ترجمہ دو جھولوں میں۔ قیمت مکمل سٹ دو روپیہ۔ رعایتی ایک روپیہ چار آنہ۔ تاریخ مراکش۔ مراکش کی مکمل و جامع تاریخ۔ مراکش کے مشہور مورخ محمد بن احمد کی مشہور تصنیف کا اردو بہترین جلدوں میں۔ صلی قیمت تین روپے۔ رعایتی دو روپے۔ (فروری نوٹ) محمولہ ایک بہ حالت میں نیا نمبر خریدار ہوگا۔ تفسیر القرآن کے آرڈر کے ساتھ پیشگی دو روپے آنے چاہئیں۔ وگرنہ تعبیر ارشاد نہ ہوگی تفسیر القرآن بوجہ دینی ہونے کے بذریعہ ریلوے پارسل جاسکتی ہے اس لیے اپنے قریبی ریلوے اسٹیشن کا نام ضرور تحریر کریں۔

منجرایشیا بک ڈپو۔ لاہور۔